International Research Journal of Religious Studies, Vol.: 5, Issue: 01, Jan-June 2025 PP:09-25

OPEN ACCESS
IRJRS
ISSN (Online): 2959-1384
ISSN (Print): 2959-2569
www.irjrs.com

گفتگو اور تخاطب کے انداز و آداب سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ایک تحقیقی مطالعہ

A RESEARCH REVIEW OF PROPHET'S CONVERSATION AND ADDRESSEE STYLE AND MANNERS IN THE LIGHT OF SEERAH

Kashif Mehmood
Phd Research Scholar Department of Islamic studies UoI.
Email: kashif.khakvi@gmail.com

Abstract

Human is best creature of Allah (SWT). Allah has blessed humans with many qualities. One of His blessings on humans is ability to speak. Speaking ability makes human distinct among all creatures. The best among humans is Prophet Muhammad (PBUH) who was honored with best possible communication skills. Prophet Muhammad (PBUH) used to use very concrete, specific and relevant words during his commination. The way he normally talk was cent percent understandable and was not leaving any ambiguity in the minds of listeners because his choice of words was excellent. While speaking whenever he was responsive as well, he used to smile whenever he listens anything to be smiled upon. Laughing with sound is against the Waqar. He never laughed with sound in his life. The traits of his communication were described by Hazrat Imam Hassan Hind Bin Abi Hala. Prophet Muhammad's (SAW) neither used excessive wordings nor used incomplete words which could create incompleteness in his speech [Al Shumail-ul-Mehmoodiya, Al Trimzi: 187]. He was very soft spoken with full of best suitable words. He used to start his discussion with Salam. He used to change the pitch of his sound according to the situation. In accordance with the capacity of listeners he used to

CC BY

repeat his words, as well. The perfect movement of his head and hands matches with his words. Seerat un Nabi (SAW) provides complete code of life and provides guidance for all ways of life. Communication is a major factor human traits, Islam provides guidance of good communication.

***Key Words**: Seerah, commination, Conversation, addressee , listeners.*

موضوع کا تعارف

اللہ جل شانہ انسان کا خالق حقیقی ہے اور انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کو بہت سی خصوصیات اور صفات سے نوازہ ہے اور جملہ خصائص میں ایک اہم خصوصیت کہ انسان کو بولنے کی صلاحیت عطا کی ہے اور نوع انسانی کے لیے یہ خصلت انسانیت کا امتیاز ہے جو حضرت انسان کو ساری مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے اور نوع انسانی میں افضل ترین ہستیاں انبیاء کرام کی ذوات مقدسہ ہیں اور خصوصیت کے ساتھ آپ ﷺ جو انبیاء کرام میں سب سے افضل ہیں اور اللہ جل شانہ کے بعد سب سے بزرگ ترین ہستی ہیں اور ان کی سیرت مبارکہ میں انسانوں کے لیے ہر شعبے سے متعلق مکمل ہدایات طریقے اور راستے موجود ہے ان کے ہی انداز و آداب تکلم ہمیں اظہار خیال، کلام اور تخاطب کا بہترین اصول مہیا کرتی ہے لغت میں خطاب و اظہار خیال سے مراد کلام ہے یعنی محادثہ جو ایک شخص دوسرے شخص سے کرتا ہے یعنی دو افراد کا آپس میں تکلم کرنا۔ اور یہی معانی اہل لغت کے نزدیک بھی متفق علیہ ہیں۔ لغت میں خطاب سے مراد کسی کی طرف کلام کے ساتھ متوجہ ہونا مفید کلام کسی دوسرے کی طرف افہام کیلئے کلام کے ساتھ متوجہ ہونا ایسا بلیغ اور شان والا کلام جو مفصل یعنی واضح ہو۔ حضور اقدس ﷺ کی گفتگو انتہائی صاف بے حد شیریں دلکش اور دلآویز ہوتی تھی کہ اس کا ہر لفظ سامع کے دل اور دماغ میں پیوست ہو جاتا جاتا تھا۔ حسنِ تکلم میں اس قدر دلکشی و رعنائی پائی جاتی کہ شہد کی مٹھاس بھی پیچھے رہ جاتی ہے اور آپ ﷺ بات کو زیادہ طول نہ دیتے بالکل اختصار ہی سے کام لیتے لیکن اختصار ایسا کہ معیوب نہ لگے اور ایسا معتدل کلام کہ ہر نکتہ وضاحت سے کھل کر سامنے آجاتا اور مخاطبین کے لئے اس گفتگو میں کوئی ابہام باقی نہ رہتا۔ آپ کا کلام اتنا پر تاثیر اور پر معنی ہوتا کہ اس کا بے ساختہ پن دلوں میں اترتا چلا جاتا اور ہر فرد آپ سے شعور اور آگہی لے کر اٹھتا اور مضی الضمیر سمجھنے میں کسی تشنگی کا احساس نہ رہتا۔ یہ گفتگو تب ہی ہو سکتی ہے جب گفتگو مطلب کو واضح کرنے والی اور معنی خیز ہو مبہم اور غیر واضح گفتگو سے بچا جائے۔ ابتدا سے لے کر انتہا تک گفتگو منہ بھر کے ہو الفاظ کاٹ کاٹ کر گفتگو نہ کی جائے اگر دورانِ گفتگو کوئی خوش گوار بات آئے تو مسکرا دیا جائے کیوں کہ رسول خدا ﷺ بھی پُر لطف بات تبسم فرما لیتے تھے ۔جس سے آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو جاتے تھے، قہقہہ نہ لگایا جائے کیونکہ یہ وقار کے خلاف ہے اور حضور ﷺ تو اونچی آواز میں قہقہہ نہ لگاتے تھے۔ حضور ﷺ کی گفتگو نرم لہجہ اور احسن الفاظ سے مزین ہوتی تھی گفتگو یا کلام کا آغاز سلام سے ہوتا تھا انداز ایسا نرالا تھا کے ضرورت کے مطابق اونچا اور آہستہ کرتے تھے اور ضرورت کے مطابق ہاتھ اور سر کا مناسب استعمال کرتے تھے سامعین کی استعداد کے مطابق بات کو دھرانے کا اسلوب بھی ہمیں سیرت مطہرہ سے ملتا ہے آپ کی سیرت مبارکہ میں زندگی گزارنے کا ایک مکمل طریقہ موجود ہے جس میں نوع انسانی کو پیش آنے والے جملہ حوادث کیلئے رہنمائی موجود ہے گفتگو

انسانوں کے باہمی ربط کا ذریعہ ہے اسلام نے اندازِ گفتگو کیلئے ہدایات دی ہیں۔

خطاب کا لغوی مفہوم:

خطاب لغوی اعتبار سے فِعَال کے وزن پر ہے جو فعلِ ثلاثی خَطَبَ سے تحویل کے ساتھ مشتق ہے

ابن منظور فرماتے ہیں "الخطاب والمخاطبہ" سے مراد کلام کو بار بار دہرانا، اور انہوں نے کلام کے ساتھ اس سے خطاب کیا، اور ان دونوں نے آپس میں کلام کیا۔ علی بن عبداللہ الصیاح فرماتے ہیں کہ پس تخاطب سے مراد کلام کو بار بار دہرانا دونوں طرف سے یا پھر ان دو میں سے کسی ایک جانب سے۔

امام جوہری فرماتے ہیں:

" وخاطبه بالكلام مخاطبة وخطاباً" 1

کلام کے ذریعے سے لوگوں کی طرف متوجہ ہونا۔

محمد بن احمد الازھری کے نزدیک:

" مراجعة الكلام" 2

کلام کا بار بار دہرانا

ابوالبقاء الکوفی سے روایت ہے:

"کہ خطاب ایک طرف سے بھی ہو سکتا ہے، مگر اس میں اعتبار یہ کیا جاتا ہے کہ وہ کسی سے مخاطب ہے۔ جیسے کہا ہے کہ خطاب ایک طرف سے ہوگا تو وہ اس کی یعنی مخاطب کی طرف ہوگا نہ کہ مخاطب کے ساتھ ہوگا اور ایسا خطاب مخاطبہ کو شامل ہوتا ہے" 3

اور امام رازای کے نزدیک خطاب کا مفہوم:

"الخطابة والخطبة " 4

منہ سے ادا کرنا خطاب کی جنس ادبی بھی یہی ہے۔ لغت میں خطابۃ مصدر ہے جیسا کہ خطاب جس سے مراد کلام کو افہام کیلئے دوسرے کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

اور حکماء کے نزدیک خطاب سے مراد:

"وفي اصطلاح الحكماء : مجموع قوانين يقتدر بها على الإقناع الممكن في أي موضوع يراد " 5

حکماء کی اصطلاح میں قوانین کا ایسا مجموعہ جو بندے کو دوسرے لوگوں کو کسی بھی موضوع پر قائل کرنے کیلئے قادر کرے۔

اصطلاح میں خطاب کا مفہوم:

خطاب کی اصطلاحی مفاہیم مختلف ہیں۔

"قد تنوع معنى الخطاب في الاصطلاح لتنوع الميادين التي يشغلها بحسب ما يضاف إليه كالخطاب الثقافي ، والخطاب الصوفي ، والخطاب السياسي ، والخطاب التاريخي ، والخطاب الاجتماعي "6

اصطلاح میں لفظ خطاب کے معانی مختلف ہو جاتے ہیں کیونکہ مختلف مقام پر لفظ خطاب مختلف اشیاء کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسے خطاب ثقافی، خطاب صوفی، خطاب سیاسی، خطاب تاریخی اور خطاب اجتماعی الخ۔

لیکن بعض جگہ خطاب کے معنیٰ میں توسیع ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر:

" خطاب الشارع المفيد فائدة شرعية "7

کسی ایک کلام سے دوسرے کلام تک خطاب کے معنی میں توسیع ہے کیونکہ اصولیین کے نزدیک یہ حکم شرعی ہے یعنی شارع کا خطاب اتنا مفید ہو جو شریعت کو فائدہ دے۔

مطلق خطاب سے مراد حقیقت عرفی ہو گا:

خطاب حقیقۃً عرفیہ ہے اصولیین کے نزدیک جب مطلق خطاب کہیں گے۔

اس بار عبد المنعم الحفنی کہتے ہیں:

" الخطاب بحسب أصل اللغة توجيه الكلام نحو الغير للإفهام ، ثم نقل إلى الكلام الموجه نحو الغير للإفهام "8

لغت کے اعتبار سے خطاب سے مراد کسی دوسرے کی طرف افہام کیلئے کلام کو متوجہ کرنا۔

خطاب کا مدلول بڑا وسیع ہے انہوں نے خطا کے معانی میں رسالۃ کو بھی شامل کیا ہے انسان کسی دوسرے سے کلام افہام کیلئے کرتا ہے۔

مجمع اللغۃ العربیۃ کے مطابق خطاب سے مراد:

"الخطاب :الكلام والرسالة" 9

خطاب کلام کو بھی کہا جاتا ہے اور پیغام کو بھی مماثلت دونوں میں یہ ہے کے مخاطب تک بات کا پہنچانا مقصود ہوتا ہے

خلاصہ کلام:

اہل لغت کے نزدیک خطاب سے مراد کلام ہے یعنی محادثہ جو ایک شخص دوسرے شخص سے کرتا ہے اور یہ معنی اہل لغت کے نزدیک بھی متفق ہے خطاب کے معانی لغوی اصطلاحی عتبار سے درج ذیل ہیں:

1. لغت میں خطاب سے مراد کسی کی طرف کلام کے ساتھ متوجہ ہونا۔
2. مفید کلام۔
3. کسی دوسرے کی طرف افہام کیلئے کلام کے ساتھ متوجہ ہونا۔
4. ایسا بلیغ اور شان والا کلام جو مفصل یعنی واضح ہو۔
5. خطاب اور حوار یہ دونوں بہت قریب ہیں حوار کلام کو بار بار کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے تحاور آپس میں بار بار کلام کرنا۔ تجادلوا بحث کرنا/ مجادلہ کرنا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے اللہ جل جلالہ نے تمہارا حوار سنا ہے اور حوار ایسے کلام کو کہا جاتا ہے جس میں دونوں طرف سے کلام ہو یہی بنیادی فرق ہے دونوں اقوال کے درمیان کہ حوار میں کلام کرتے ہوئے دونوں اطراف کا شامل ہونا یا شریک ہونا لازم ہے جبکہ خطاب میں یہ لازم نہیں ہے خطاب میں کلام ایک طرف سے ہوتا ہے حوار اس اعتبار سے خطاب کی اقسام میں سے ایک قسم

ہے۔

آداب تخاطب

آداب تخاطب سے مراد گفتگو کرنے کے وہ آداب ہیں جب ہم کسی دوسرے کو مخاطب کریں تو ہمیں کن امور کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ اس حوالے سے کامل رہنمائی کے لیے آپ ﷺ سنت وسیرت کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضور کی ذات ہی ہماری کاملاً رہنمائی کرتی ہے۔آپ کی گفتگو بے حد شریں، دلکش اور دلآویز ہوتی تھی کہ اس کا ہر ہر لفظ سامع کے دل میں ترازو ہو جاتا۔ حسن تکلم میں اس قدر دلکشی ورعنائی پائی جاتی کہ شہد کی مٹھاس بھی پیچھے رہ جاتی بات کو زیادہ طول نہ دیتے تھے بالکل اختصار ہی سے کام لیتے بلکہ گفتگو ایسا حسنِ اعتدال لئے ہوتی کہ ہر نکتہ اور جزئیات وضاحت سے کھل کر سامنے آجاتیں تھی اور مخاطبین کے لئے کسی قسم کا الجھاؤ اور ابہام باقی نہ رہتا تھا۔اور کلام کا ہر لفظ اتنا پر اثر اور پر معنی ہوتا کہ اس کا بے ساختہ پن دلوں میں اترتا چلا جاتا ہر شخص آنحضرت ﷺ سے شعور وآگہی کی دولت لے کر اٹھتا اور مضی الضمیر سمجھنے میں کسی تشنگی کا احساس نہ رہتا یہ گفتگو تب ہی ہو سکتی ہے جب گفتگو میں ہر قسم کی صفات سے آراستہ ہو۔

1. گفتگو مطلب کو واضح کرنے والی اور معنی خیز ہو مبہم اور غیر واضح گفتگو سے بچا جائے۔
2. ابتدا سے لے کر انتہا تک گفتگو منہ بھر کے ہو الفاظ کاٹ کاٹ کر گفتگو نہ کی جائے۔
3. اگر دوران گفتگو کوئی خوش گوار بات آئے تو مسکرا دیا جائے کیوں کے حضور ﷺ بھی پر لطف بات پر تبسم فرمالیا کرتے تھے جس سے آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو جاتے تھے قہقہہ نہ لگایا جائے یہ وقار کے خلاف ہے آپ ﷺ اونچی آواز سے قہقہہ نہیں لگاتے تھے۔

حضرت امام حسن ہند بن ابی ہالہ سے روایت ہے:

" حضور نبی اکرم ﷺ بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے گفتگو ابتداء سے انتہاء تک منہ بھر کر ہوتی تھی۔اور آپ ﷺ کی گفتگو جوامع الکلام کی عملی شکل میں ظاہر ہوتی رہی تمام اعضاء کی حرکات وساکنات الفاظ کے مطابق ہوتی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا نہ اس میں فضولیات ہوتی تھی اور نہ کوتاہیاں کہ مطلب پوری طرح واضح نہ ہو 10"

سیرت محمدیہ ﷺ میں گفتگو کے آغاز کے جو آداب ایک انسان کو عطا کرتا ہے اگر ان پہ غور وغوض کیا جائے تو آدابِ تخاطب کی جامعیت اسلام کی روشنی میں نمایاں انداز میں عیاں ہو جاتی ہے۔

ابن قیمؒ اپنی کتاب زاد المعاد میں تحریر فرماتے ہیں:

" حضور نبی اکرم ﷺ اپنی گفتگو میں امت (کو مخاطب کرنے) کیلئے بہترین الفاظ، اچھے جملے، نرم کلمات کا انتخاب فرمایا کرتے تھے۔جو کہ سخت رو اور بد مزاج لوگوں کے اندر تخاطب سے یکسر مختلف ہوتے تھے" 11

اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کے آنحضرت ﷺ کا کلام میں مخاطب کے لیے الفاظ کا چناؤ انتہائی نرم ہوتا تھا اور ان کا کلام کسی بھی صورت سخت رو اور بد مزاج لوگوں کے انداز تخاطب سے بالکل مختلف ہوتا تھا اور ان کے کلام سامع پر اپنا دیرپا اثر مرتب کرتی تھی

نرم لہجہ اور احسن الفاظ کا استعمال:

سیرت مطہرہ لوگوں سے حسن گفتار کی تلقین کرتی ہے بات چیت میں اچھی طرح پیش آتے رہنا سہل ترین اور ادنی فریضہ انسانیت ہے اس لیے یہ حکم عام ہے یعنی خوش خلقی سے سب ہی کے ساتھ پیش آتے رہنا چاہیے خواہ وہ انسانیت کے کسی مذہب یا قومیت سے تعلق رکھتا ہو ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم ہر ایک کے ساتھ خوش اکلاقی سے پیش آئیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَقولُواْ لِلنَّاسِ حُسْناً "12

اور کرو لوگوں کے ساتھ اچھی بات۔

اس مبارکہ کے مفہوم میں عمومیت ہے کہ نوع انسانی کے ہر فرد سے اچھے انداز میں باتیں کرنے کی تلقین ہے اور خوش اخلاقی سے پیش آئے حضور اقدس ﷺ کی مبارک زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ آدمی کا تعلق خواہ کسی بھی قومیت کسی بھی مملکت اور کسی دین سے ہو ایک مسلم جب کسی سے بھی بات کرے تو اسے چاہیئے کے اچھی اور مناسب بات کہے اور کسی بھی فرد کی دل آزاری سے اجتناب کرے اور اس سے اچھے طریقے سے بات کرے۔

اس کی تفسیر علامہ ابن کثیرؒ کے بقول۔

"كَلِّمُوهُمْ طَيِّبًا، وَلِينُوا لَهُمْ جَانِبًا، وَيَدْخُلُ فِي ذَلِكَ الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ بِالْمَعْرُوفِ كَمَا قَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ فِي قَوْلِهِ تعالى وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً فَالْحُسْنُ مِنَ الْقَوْلِ يَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَيَحْلُمُ وَيَعْفُو وَيَصْفَحُ، وَيَقُولُ لِلنَّاسِ: حُسْنًا كَمَا قَالَ اللَّهُ، وَهُوَ كُلُّ خُلُقٍ حَسَنٍ رَضِيَهُ اللَّهُ"13

لوگوں کو اچھے انداز میں کلام کیا کرو یعنی ان کے ساتھ نرم بات کیا کرو اور کشادہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا کرو اچھی باتوں کا حکم کرو اور برائی سے روکو۔ حسن بصریؒ کا فرمان ہے کے اچھائی کا حکم دو اور برائی کے کاموں سے روکو اور خطاؤں کو معاف کرنے کو اپنا شعار بنالو یہی اچھے اخلاق کا اعلیٰ معیار جسے اختیار کرنا چاہیئے۔

امام احمد بن حنبل حضور ﷺ کا کلام نقل کرتے ہیں:

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں اچھی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائیوں سے ہنستے ہوئے چہرے سے ملاقات تو کرلیا کرو"14

1. ہمیں چاہئے کے آپ ﷺ کے معاملہ میں انسانوں سے سچی بات کہیں اور آپ ﷺ کی جملہ صفات کو بغیر کسی تغیر کے لوگوں کے سامنے بیان کریں۔
2. امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔
3. لوگوں کو اچھی بات کہو اور اچھا بدلہ دو اس سے جو تم چاہتے ہو کہ تمہیں بدلہ دیا جائے۔ یہ تمام مکارم اخلاق پر ابھارنا ہے۔
4. نوع انسانی کو چاہئے کہ لوگوں کے ساتھ اس کا کلام نرم ہو اس کا چہرہ ہر فاسق وفاجر کے لئے مسکراتا اور کھلا ہوا ہے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے۔

"قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اتَّقُوا النَّارَ . ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ ، ثُمَّ قَالَ: اتَّقُوا النَّارَ . ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ ثَلَاثًا ،

حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا ، ثُمَّ قَالَ: اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ"15

رسول خدا ﷺ نے دوزخ کا تذکرہ فرمایا اور اسکے عذاب سے پناہ مانگی اور تین بار منہ پھیرا پھر فرمایا دوزخ کی آگ سے بچو اچاہے وہ ایک کھجور کا ٹکڑا دے کر ہی کیوں نہ ہوا گروہ بھی میسر نہ ہو تو اچھی بات کہہ دو۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کے اچھی بات بھی صدقہ ہے جہنم سے بچنے کا ایک وظیفہ اچھا کلام ہے کسی کو نیکی کی طرف رغبت دلانا غیبت سے روکنا، ماں باپ کی خدمت کی ترغیب دینا وغیرہ۔

ابوھریرۃ سے روایت ہے:

"وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ،عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ "16

حضور ﷺ نے فرمان ہے کے اچھی بات صدقہ ہے۔

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اچھائی کی بات اور معیاری اور اچھی گفتگو صدقہ ہے اور جس طرح صدقہ بلاؤں کو تال دیتا ہے اسی طرح اچھی گفتگو اور کلام بھی بلاؤں کو ٹال دیتی ہے

گفتگو یا کلام کا آغاز سلام سے کرنا:

سیرت مطہرہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کو چاہیئے جب بھی کسی دوسرے مسلمان سے ملاقات کریں تو اس سے کسی بھی موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے سلام کریں اور پھر اپنی گفتگو کا آغاز کریں۔آپ ﷺ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے آپ کے کلام کی ابتداء ہمیشہ سلام سے ہوتی تھی۔

حضرت ابوھریرۃ بیان کرتے ہیں۔

" عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا ، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا ، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ "17

حضرت ابوھریرہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا فرمایا تم اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہو گے یہاں تک کے مومن ہو جاؤ اور تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو اور کیا تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس پر عمل کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے آپس میں سلام کو عام کرو۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہے۔

" حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ يَزِيدَ ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ: تُطْعِمُ الطَّعَامَ ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ "18

حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرت ہیں ایک شخص نے آپ سے عرض کی یارسول اللہ ﷺ اسلام کی کون سی حالت افضل ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جلالہ کی مخلوق کو کھانا کھلاؤ اور سلام کرو ہر ایک کو جس کو تم جانتے ہو یا نہیں جانتے۔

حضرت عمر بازار میں داخل ہوتے تو جس چھوٹے سے یا بڑے سے ملاقات ہوتی تو اس کو سلام کرتے اور وہ کسی نابینا آدمی کے پاس سے گزرتے تو اس کو بھی سلام کرتے اور دوسرا ان کے سلام کا جواب نہیں دیتا تھا تو ان سے عرض کی وہ شخص نابینا ہے اور سلف

صالحین بکثرت سلام کرنے کی حفاظت کرتے تھے آپ ﷺ کے صحابہ میں سے اگر دو مرد مل کر جا رہے ہوں پھر ان دونوں کے درمیان ایک درخت آ گیا ہو اس کے بعد وہ پھر ملتے تو ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے تھے۔

حتی کے خالی گھر میں داخل میں ہوں کوئ موجود نہ ہو تب بھی سلام کرنا چاہیے۔

جب تم ایسے گھر میں داخل ہو جس میں کوئی نہ ہو تو کہو:

"السلام علینا وعلیٰ عبادالله الصالحین"19

چونکہ فرشتے تمہارے اس سلام کا جواب دیں گے اور یہ حکم اس بات کا متقاضی ہے کہ جب کوئی شخص ایسے گھر میں داخل ہو جو آباد ہو اور اس میں لوگ رہتے ہوں تو لازم ہے کہ انکو سلام کیا جائے۔

سیرت مطہرہ میں احسن تخاطب کی ترغیب:

مندرجہ بالا احادیث کے مفاہیم درجہ ذیل ہیں۔

1. سلام محاسن اسلام میں سے ہے کہ آپس میں سلام کرنے سے دونوں کو سلامتی پہنچتی ہے اور سلام کو عام کرنا .برائیوں کو دفع کرتا ہے اور آفات دور ہو جاتی ہیں اور سلام کو عام کرنا برکتوں کا باعث ہے
2. دوسرا یہ جب ایک مسلمان بھائی ملتے اور کلام کرتے وقت سلام کرتا ہے اور تمام مسلمانوں کیلئے دنیا اور آخرت میں بھلائی کیلئے ارادہ کرتا ہے اور اسی طرح دوسری چیزیں ہیں جو کہ مسلمانوں کے مابین رائج ہیں مثلاً صبح بخیر، اور خوش آمدید ان الفاظ کا مقصد ایک دوسرے کے قریب لانا اور ترغیب دلانا ہے۔
3. سلام کرنا اور پھیلانا جنت میں داخلے کا سبب ہے۔
4. یہ مسلمانوں کی علامت اور حسن خلق کی عمدہ مثال ہے۔

فاسق و فاجر سے احسن خطاب کا حکم:

جب لوگوں سے خطاب کرے تو بات نرم کرے خوش روئی اور کشادہ دلی سے کرنی چاہے مخاطب خواہ دیندار ہو یا گناہ گار انداز تخاطب ایک ہی ہونا چاہیئے:

قرآن مجید میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔

"وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا"[20]

اور عام لوگوں سے نرم بات کہا کرنا

ہر نبی اپنے زمانے کا صالح ترین شخص ہوتا ہے حضرت موسیؑ کے زمانے کی صالح ترین شخصیت حضرت موسیؑ کی ذات تھی جب اللہ رب العزت نے ان کو فرعون کی طرف بھیجا اور وہ اس زمانے کا سب سے زیادہ گناہ گار شخص تھا تو فرمایا کے اس کے ساتھ نرم بات کیجئے گا۔

1. جب کلام کریں اور لوگوں کے ساتھ مخاطب ہوں تو حسن اور اچھے کلام کے ساتھ ہوں۔
2. کلام الحسن میں سچائی، بات میں عدل، اچھائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا اور علم کی تعلیم دینا شامل ہے۔
3. اچھے کلمات کے ذریعے لوگوں میں محبت و مودت کا فروغ ہوتا ہے۔

آئمہ حدیث اور آداب تخاطب:

آئمہ حدیث کے نزدیک سلام کو اتنی اہمیت ہے کہ انہوں اپنی کتابوں میں باقاعدہ ابواب سلام کے حوالے سے قائم کئے ہیں اور ذیل میں سلام سے متعلق احادیث کو ذکر فرمایا گیاہے۔

"ومن هنا عنى إئمة الحديث بهذا الأدب فعقدوا كتبا وابوابا عديدة لبيان الأحاديث الواردة في السلام" 21

اسی وجہ سے آئمہ حدیث نے اس ادب کو اپناتے ہوئے اپنی کتابوں کا آغاز سلام کے ابواب سے کیاہے اور ان میں سلام سے متعلقہ کثیر احادیث کا تذکرہ کیاہے۔

مباحث السلام کی کثیر کتب:

احادیث مبارکہ کی کثیر کتب میں تمام ائمہ کرام نے سلام سے گفتگو کے آغاز اور سلام کو پھیلانے کے بہت ساری بحثیں نقل کی ہیں:

"وممن عقد كتابا خاصا للسلام الإمام مسلم بن الحجاج في صحيحه، والإمام مالك بن أنس في الموطأ، وقدذكر الإمام البخاري في صحيحه كثيرا من مباحث السلام وكذلك بقية أصحاب الكتب الحديثية نثروا أحاديث السلام في أبواب متفرقة من كتبه"22

بہت سارے محدثین نے اپنی حدیث کی کتابوں میں کثیر مباحث السلام سے ابواب باندھے ہیں اور تذکرہ کیاہے اور اسی طرح دیگر کتب احادیث میں کثیر احادیث سلام سے متعلقہ روایت کی ہیں۔

فحش کلام اور برے الفاظ سے اجتناب:

گالم گلوچ اور بے ہودہ گفتگو انسانی معاشرہ کے انتہائی موذی بیماری ہے، ہمیں چاہئے کے گالم گلوچ سے بچیں۔ معمولی باتوں پر گالم گلوچ پر اتر آنا کم ظرفی کی نشانی ہے کم ظرف انسان ہی بات بات پر گالی دیتاہے حالانکہ گالی دینا بہت بڑا گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ"23

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے، جو مول لے غفلت میں ڈالنے والی بات، تاکہ بہکادے اللہ کی راہ سے نادانی سے۔ اور بنالے اسے مذاق۔ انہیں کے لئے عذاب ہے رسوا کرنے والا۔

مفہوم اس آیت مبارکہ کا یہ ہے ایمان والوں کی بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ بے ہودہ گفتگو گالی گلوچ سے دور رہتے ہیں دوسرے الفاظ میں اگر کسی میں ایمان موجود ہے تو وہ لغویات سے دور رہے گا اور اگر ان میں پڑ گیا تب وہ ایمان سے بھی جاتا رہا۔

اسی طرف مزید اشارہ نبی ﷺ کے فرمان میں:

"سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ"24

مومن کو گالی دینا فسق اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتاہے کہ گالی سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے اور اگر کوئی دوسرا ہمیں گالی دیتا بھی ہے تو ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اسکو جواب میں گالی نہ دیں۔ کیونکہ اگر ہم خاموش رہتے ہیں تو فرشتہ ہماری طرف سے گالی کا جواب دے رہا ہوتاہے۔

ابو داؤد شریف کی روایت ہے:

"نَزَلَ مَلَكٌ مِنَ السَّمَاءِ يُكَذِّبُهُ بِمَا قَالَ لَكَ، فَلَمَّا انْتَصَرْتَ وَقَعَ الشَّيْطَانُ، فَلَمْ أَكُنْ لِأَجْلِسَ إِذْ وَقَعَ الشَّيْطَانُ"25

ایک دفعہ حضور ﷺ صحابہ کرام درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک شخص ابو بکر صدیق سے توں تکرار کرنے لگا اور آپ کو تکلیف پہنچائی تو آپ اس پر خاموش رہے اس نے دوسری بار ایذاء دی ابو بکر اس بار بھی چپ رہے پھر اس نے تیسری بار بھی ایذاء دی تو ابو بکر نے اس سے بدلہ لے جب ابو بکر بدلہ لینے لگے تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے ابو بکر نے عرض کی یا رسول اللہ آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گئے تو آپ نے فرمایا آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا تھا، وہ ان باتوں میں اس کے قول کی تکذیب کر رہا تھا لیکن جب تم نے بدلہ لے لیا تو شیطان آ پڑا پھر جب شیطان آ پڑا ہو تو میں بیٹھنے والا نہیں۔ یعنی جب تک اس کی گالی کے جواب میں گالی نہیں دی گئی تھی تب تک اس کا جواب فرشتہ دے رہا تھا لیکن جب آپ نے گالی کا جواب دیا تو فرشتہ درمیان سے چلا گیا اور اس کی جگہ شیطان آ گیا اور شیطان فساد پھیلانا چاہتا ہے اس وجہ سے اللہ کے بندوں کی صفات میں سے بڑی صفت یہ ہے کہ وہ گالم گلوچ سے بچتے ہیں اور کبھی کسی کو گالی نہیں دیتے اور جو شخص گالی دینے میں کی ابتداء کرتا ہے تو گالی دینے کا گناہ اس ہی کے سر ہوتا ہے۔

جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِي مِنْهُمَا مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ"26

باہم گالی گلوچ والے جو کچھ کہتے ہیں اس کا گناہ اس شخص پر ہی ہو گا جس نے گالم گلوچ کرنے میں ابتداء کی ہو گی جب تک مظلوم اس سے تجاوز نہ کرے۔

اس حدیث مبارکہ میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو شخص گالی دینے میں پہل کرتا ہے کہ تو بدلے دوسرا شخص جو گالیاں نکالتا ہے تو اس کا گناہ بھی پہلے گالی دینے والے کے اوپر ہوتا ہے۔ اور اگر وہ تجاوز کر جائے تو زیادتی و تجاوز کا گناہ ہو گا اور جنت میں مومن نہ تو کوئی بیہودگی سنیں گے اور نہ کوئی گناہ کی بات اس لئے ہمیں خود بھی اس گناؤنے فعل سے دور رہنا چاہیے۔

گفتگو کی ذمہ داری اور اسکی اہمیت کا احساس:

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب میری بندوں سے بات کرو تو احسن انداز سے کرو کیونکہ شیطان تمہارے درمیان جھگڑا ڈالنا چاہتا ہے۔ اور تمہیں چاہیئے کہ ایک دوسرے سے احسن بات کرو اگر اس کے علاوہ گفتگو کرو گے تو تم لوگوں کے درمیان تلخ کلامی کی وجہ سے جھگڑے ہوں گے لہٰذا تمھیں چاہیے کے گفتگو میں احتیاط کرو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُواْ الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ "27

اور میرے سچے بندوں سے کہہ دو، کہ بولا کریں جو سب سے زیادہ خوشگوار بولی ہو۔ بیشک شیطان کو نچے دیتا ہے ان میں۔ بیشک شیطان جنم سے انسان کا کھلا دشمن رہا۔

"وردت أحاديث كثيرة تبين خطورة الكلمة وأهمية أن يراقب المسلم ألفاظه وكلماته وفي هذا تربية عملية للمسلم أن يتنبه لخطابه مع الآخرين وأن يزن كلامه وعبارات"28

انسان کو گفتگو کی ذمہ داری اور اس کی اہمیت کا احساس ہونا چاہئے کہ ایک مسلمان جب دوسروں سے گفتگو کرے تو اپنے الفاظ و کلمات کی حفاظت کرے تاکہ کوئی غلط اور بیہودہ لفظ اس کی زبان سے ادا نہ ہو جو جہنم کے گڑھے تک پہنچادے۔

انسان کو اپنی زبان پر گرفت رکھنی چاہیئے اس لئے کہ جب آدمی کچھ بولے تو سوچ سمجھ کر بولے اور بولنے سے قبل سوچ لے اور اگر اس میں کوئی دنیا اور آخرت کی کوئی مصلحت ظاہر ہو تو کلام کرے ورنہ خاموش رہے۔ کہ بسا اوقات انسان کو گمان بھی نہیں ہوتا کہ جو کلمات وہ منہ سے نکال رہا ہے اس کے سبب سے قیامت تک کیلئے اللہ تعالی کی ناراضگی اس کیلئے لکھ دی جاتی ہے اور ناراضگی بھی وہ جس کے باعث انسان دوزخ میں جا پڑتا ہے۔

امام بخاری اپنی کتاب الجامع الصحیح البخاری میں بیان فرماتے ہیں:

"إِنَّ العَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالكَلِمَةِ، مَا يَتَبَيَّنُ فِيهَا، يَزِلُّ بِهَا فِي النَّارِ أَبْعَدَ مِمَّا بَيْنَ المَشْرِقِ"29

بندہ ایک بات اپنے منہ سے نکالتا ہے اور اس کے متعلق سوچتا نہیں (کتنی کفر اور بے ادبی کی بات ہے) اور اس بات کی وجہ سے ج وہ جہنم کے گڑھے میں اتنی دور جا گرتا ہے جتنا مغرب سے مشرق دور ہے۔

اسی باب کی ایک اور حدیث میں ہے:

" إِنَّ العَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللَّهِ، لاَ يُلْقِي لَهَا بَالًا، يَرْفَعُهُ اللَّهُ بِهَا دَرَجَاتٍ، وَإِنَّ العَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللَّهِ، لاَ يُلْقِي لَهَا بَالًا، يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ"30

آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ آدمی رب تعالی کی خوشنودی کیلئے کوئی کلام اپنی زبان سے نکالتا ہے اسے وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا مگر اسی کی وجہ سے اللہ اس کے درجے بلند کر دیتا ہے اور ایک دوسرا بندہ ایک ایسا کلمہ زبان سے نکالتا ہے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہوتا ہے اسے وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا لیکن اسی بنا پر وہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔

انسان اگر ایسی بات منہ سے نکالے جس سے دوسرے مسلمان ظلم سے محفوظ رہ سکیں یا اس سے کسی کی کوئی مشکل آسان ہو اور کسی مظلوم کی مدد ہو سکے تو اس کی وجہ سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس انسان ایسے الفاظ منہ سے نکالے جس سے ظالم کو سرکشی کرنے کا موقع ملے اور وہ بات مسلمان کے ہلاک ہونے کا سبب ہو تو ایسے کلمے کے سبب انسان دوزخ میں گر پڑتا ہے۔ اس لئے ہمیں زبان کی حفاظت کرنے کا حکم ہے کیونکہ بعض اوقات ایسے کلمات منہ سے ادا ہو جاتے ہیں جو مسلمان کو کبیرہ گناہ کا مرتکب بنا دیتی ہے۔ اور کلام اس کیلئے ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔ اس لئے انسان کو گفتگو سوچ سمجھ کر کرنی چاہیئے جو اس کیلئے خیر کا موجب بنے نہ کہ فتنہ کا۔

اندازِ تخاطب

حضور ﷺ کی سیرت میں جہاں ہمیں تخاطب کے آداب سکھائے گئے ہیں اور ساتھ ہی سیرت ہمیں وہ راستہ دکھاتی ہے جس سے رہنمائی لے گفتگو کا بہترین انداز اپنا سکتے ہے کی جب ہم دوسروں سے مخاطب ہوں یا گفتگو کریں تو اس وقت ہمارا انداز کیسا ہونا چاہیئے کس طریقے کو اختیار کرنے سے مخاطب کو مکمل بات سمجھائی جا سکتی ہے۔ تاکہ ہماری گفتگو سن کر مخاطب کے دل کو راحت مل سکے۔

آواز کا ضرورت کے مطابق اونچا اور پست کرنا:

خطاب کرنے والے چاہیئے نہ تو آواز کو پست کرے اور نہ زیادہ اونچا سامعین کی تعداا اگر د زیادہ ہو اور آہستہ آواز میں ان

تک بات پہنچانا ممکن نہ ہو تو ضرورت کے مطابق آواز کو اونچا رکھا جائے، گفتگو کی مناسبت سے آواز میں مناسب اتار چڑھاؤ رکھا جائے، بے موقع چیخنا اور چلانا وقار کے خلاف ہے، حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو آواز پست رکھنے کی جو نصیحت فرمائی تھی۔

قرآن کریم نے اسے نقل کیا ہے:

"وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ"31

اور پست رکھا کر و اپنی آواز بیشک سب سے زیادہ ناگوار آواز یقینا گدھے کی آواز ہے۔

ضرورت کے مطابق ہاتھ اور سر کا استعمال:

مخاطب کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور گفتگو کو صحیح انداز میں اس کے دل اور دماغ کے اندر ڈالنے کے لیے ہاتھ کے ذریعہ سے مناسب اشارے اور چہرے کے پر وقار تاثرات سے کام لیا جاسکتا ہے اس سلسلے میں تکلف سے اجتناب کیا جائے رسول اللہ ﷺ تعجب خیز بات پر ہاتھ پلٹ لیتے تھے آپ ﷺ گفتگو فرماتے ہوئے ہاتھوں کو بقدر ضرورت حرکت دیتے تھے اگر کسی جانب اشارہ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو پورے ہاتھ سے اشارہ کیا جائے صرف انگلیوں سے اشارہ کرنا مناسب نہیں سرکار دوعالم ﷺ اپنی داہنی ہتھیلی کو اپنے بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصے پر مارتے تھے۔ حضور ﷺ کے خطاب کا انداز بڑا بھرپور ہوتا تھا جب آپ خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخی مائل ہو جاتیں تھیں اور آواز مبارک مناسب بلند اور جلال کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی حتی کہ ایسا لگتا تھا جیسے آپ ﷺ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ وہ لشکر صبح یا شام کو تمہیں آلے گا اور اپنی شہادت والی انگشت اور درمیانی انگشت کو آپس میں ملا کر دکھاتے اور فرماتے مجھے اور قیامت کو اس طرح ساتھ بھیجا گیا ہے میرے بعد جلد ہی قیامت آئے گی۔

حضور ﷺ کا فرمان۔

"إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا وَشَبَّكَ أَصَابِعَهُ"32

مومن مومن کیلئے عمارت کی طرح اس کا بعض حصہ بعض حصے کو قوت پہنچاتا ہے اور اسے سمجھانے کیلئے حضور ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا۔

عمارت کا ایک حصہ دوسرے حصہ کے سہارے کھڑا رہتا ہے اور اسی طرح ایک اینٹ دوسری اینٹ کو آپس میں جوڑے رکھتی ہے ہے آپ نے فرمایا مسلمانوں کو بھی آپس میں ایک دوسرے کا زور اور قوت بازو بننا چاہیئے ایک مسلمان پر کوئی کافر ظلم کرے تو سارے مسلمانوں کو اس کی مدد کرنی چاہیئے کیا عمدہ نصیحت کی آپ نے انگلیوں میں قینچی کر کے اس کی مثال دی کہ جیسے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں اس طرح مل جاتی ہیں یوں ہی مسلمانوں کو چاہیے آپس میں شیر و شکم ہوں۔ آپ لوگوں صرف زبان مبارک سے بات کو سمجھا دیتے تو سب کو سمجھ آجاتی تھی مگر اس طرح ہاتھ سے اشارہ کر کے جو بات کو سمجھایا تو کلام کی مکمل وضاحت ہو گئی یہ قاعدہ معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات مخاطب کے دل و دماغ میں کسی بات کو نقش کرنے کیلئے ہاتھ اور سر سے اشارہ کر کے بھی کلام کیا جاسکتا ہے۔

واضح اور ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرنا:

گفتگو ہمیشہ صاف اور ٹھہر ٹھہر کر ہونی چاہئے کیونکہ حضور ﷺ گفتگو نہایت تحمل کے ساتھ فرماتے تھے گفتگو میں جلد بازی نہیں ہوتی تھی بلکہ ہر مضمون صاف صاف اور دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا پاس بیٹھنے والے لوگ بات کو اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیتے تھے اور اگر کوئی شخص آپ کے الفاظ گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔

"كَانَ يُحَدِّثُ حَدِيثًا لَوْ عَدَّهُ العَادُّ لَأَحْصَاهُ"33

اماں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ آپ اس قدر ٹھہر ٹھہر کر کرتے کہ اگر کوئی شخص آپ کے الفاظ گننا چاہتا تو گن لیتا۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ کے گھر ابو ھریرۃ تشریف لائے اور میرے حجرہ کے ایک کونے میں بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کی احادیث سنانے کیلئے بیان کرنے لگے حضرت عائشہ اس وقت نماز پڑھ رہی تھی۔ پھر وہ ان کی نماز ختم ہونے سے پہلے ہی اٹھ کر چلے گئے حضرت عائشہ فرماتی ہیں اگر ابو ھریرۃ مجھے سے مل کے جاتے تو میں ان کی ضرور خبر لیتی کہ آپ اس طرح جلدی اور تیزی سے بات نہیں کرتے تھے۔

"عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَسْرِدُ الْكَلَامَ كَسَرْدِكُمْ هَذَا، كَانَ كَلَامُهُ فَصْلًا يُبَيِّنُهُ، يَحْفَظُهُ كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ"34

تمہاری طرح یوں تیزی اور جلدی سے باتیں نہیں کیا کرتے تھے بلکہ ان کا کلام مکمل واضح ہوتا تھا جو اسے غور سے سنتا اسے یاد ہو جاتا۔

ضرورت کے مطابق کلام کو دہرانا:

سننے والوں کی ذہنی سطح کی رعایت کرتے ہوئے بات کو دہرایا جاسکتا ہے

"أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يُعِيدُ الْكَلِمَةَ ثَلَاثًا ؛ لِتُعْقَلَ عَنْهُ "35

حضرت انس سے مروی ہے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ بسا اوقات کلام کو تین مرتبہ دہراتے تھے تاکہ آپ کے سامع اچھی طرح سمجھ لیں اس لئے خطاب کرتے ہوئے اگر سامع پر کسی بات کی وضاحت نہ ہو تو کلام کرنے والے کو چاہیئے کہ وہ بات کو دو یا تین مرتبہ دہرائے تاکہ مخاطب بات کو مکمل سمجھ لے۔ اس حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے جب آپ کوئی کلمہ ارشاد فرماتے تو اسے کم از کم تین بار لوٹاتے یہاں تک کہ خوب سمجھ لیا جاتا اور جب کسی مجمع کے پاس آپ تشریف لاتے اور انہیں سلام کرتے تو تین بار سلام کرتے کوئی کلام فرماتے تو اس کو کم از کم تین مرتبہ دہراتے اس عمل کا مقصود بات کو مکمل طور پر سمجھانا ہوتا تھا خطاب کرنے والے بات کو دو بار دہرانے کو برا گردانتے ہیں اور طالب پر دہرانے کی طلب کو جہالت سے منسوب کرتے ہیں ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایسا مختلف طبیعتوں کے ساتھ مختلف ہوتا ہے بعض لوگ کسی بات کو جلدی سمجھ لیتے ہیں اور بعض نہیں۔ اس لئے ایسا کرنے میں کوئی عیب نہیں ہے کہ جس طالب اور سامع کو ایک بار بات بتانے اور سکھلانے سے یاد اور سمجھ میں نہ آئے تو اس کیلئے استاد کو دہرانے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرنی چاہیئے اور اس بات کو تین مرتبہ دہرانا چاہیئے۔

نتائج البحث

حضور ﷺ کی سیرت ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور گفتگو انسانوں کے باہمی ربط کا ذریعہ ہے سیرت میں گفتگو کے آداب وانداز سے متعلق مکمل ہدایات موجود ہیں کے گفتگو میں کن بنیادی چیزوں کالحاظ رکھا جانا چاہیے۔ کلام کرنے والے کے الفاظ مختصر اور واضح مگر جامع ہوں انداز ایسا ہو کہ سننے والے کو کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے اور ہمیشہ سیدھی اور

اچھی بات کی جائے۔ گفتگو میں فحش کلامی سے بچنا چاہیئے فحش کلامی مسلمان کا شیوہ نہیں کہ وہ گالم گلوچ کرے بلکہ ایک ادنی سے ادنی مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسروں کو بھی فحش کلام اور بری بات کرنے سے روکے کیونکہ گالی دینا بدترین عمل اور سخت ترین گناہ ہے۔ اگر کوئی شخص ہمیں گالی دے تو ہمیں جواباً اسے گالی نہیں دینی چاہیے اس کے تحت جھوٹ، چوری، گالی دینا، لعن طعن کرنا، غیبت کرنا، کسی کی خوشامد کرنا، جیسے جتنے رذائل اخلاق ہیں ان سب سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اور جو لوگ ایسی بیہودہ گوئی کریں ان سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔ قرآن مجید میں جن اقوال کو برا اور قابل ملامت کہا گیا ہے مثلاً خبیث اقوال اور جھوٹا قول اور ایسا قول جس پہ عمل کرنے والے کو اسکا علم ہی نہیں اور افتراء و کذب، غیبت، برے القابات، گناہ اور برائی کے کاموں والے، اور اللہ کے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی نافرمانی کرنا اور قول اور فعل میں تضاد ہونا اور ایسی بات جس پہ خود عمل نہ کرے اور دوسروں کو تلقین کرتا پھرے اور ایسی باتیں جن کو اللہ نے بیان نہیں فرمائیں اور ان باتوں اس ذات کی طرف منسوب کرنا اور برائی کے کاموں کی سفارش کرنا اور ایسا قول جو برائی اور گناہ کیلئے سبب بنے اور اس کے علاوہ دیگر جتنے بھی قبیح اقوال ہیں ان سب سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے لوگ ایسے افراد سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں جو ترش زبان اور برے الفاظ کا استعمال کرتا ہے یا جو متعصب رویہ رکھے۔ اللہ کی رحمت کاملۃ ہے کہ آپ کی ذات پاک ساری مخلوق کے لئے انتہائی نرم طبیعت رکھنے والی تھی اور اگر آپ تندروح ہوتے تو جن لوگوں کو آپ سے انس تھا وہ آپ کے ارد گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے آپ ﷺ ہمیشہ در گزر والا معاملہ فرماتے تھے ہمیں چاہیئے کہ نرم گفتگو کریں جھگڑے سے اپنے آپ کو دور رکھے اور گفتگو میں اچھے الفاظ کو اختیار کریں اور برائی کے بدلے میں احسان کریں تب ہم دوسروں کیلئے محبوب بن سکتے ہیں۔ خطاب کے آداب میں سے ہے کہ انسان کی تحقیر نہیں کرنی چاہیئے اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ اسے لعن اور گالی دی جائے اور ان صفات آداب اور مہارتوں کا لحاظ رکھے جو ہمیں سیرت مطہرۃ سے ملتی ہیں۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

[1] الجوهري، أبو نصر إسماعيل بن حماد (م393هـ) الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، دار العلم للملايين، بيروت ط: الرابعة 1407هـ-1987م، عدد الأجزاء: 6 ج: 1، ص ۱۲۱

[2] الهروي، محمد بن أحمد بن الأزهري ، (المتوفى: 370هـ-) تهذيب اللغة ، دار إحياء التراث العربي - بيروت ،ط: الأولى، 2001معدد الأجزاء: 8،ج:۷، ص۲۴۷

3 الكفوي، أيوب بن موسى الحسيني القريمي ،(المتوفى:1094هـ-)، الكليات معجم في المصطلحات والفروق اللغوية، مؤسسة الرسالة- بيروت س،ن عدد الأجزاء:1 ،ج،1 ص،419

[4] الرازي، زين الدين أبوعبد الله محمد بن أبي بكر بن عبد القادر الحنفي، (المتوفى:666هـ-)، مختار الصحاح، المكتبة العصرية- الدار النموذجية، بيروت -صيد، ط، الخامسة،1420هـ-1999 معدد الأجزاء:1ج،1 ص،76

[5] علي محفوظ، فن الخطابة وإعداد الخطيب، ج،1 ، ص:13

6 ابن منظور الإفريقى، محمد بن مكرم بن على، (المتوفى: 711هـ-)، لسان العرب ،دار صادر - بيروت ،ط: الثالثة - 1414 هـ-عدد الأجزاء: 15 ،ج ۱۳، ص1194

[7] الآمدي ، أبو الحسن سيد الدين علي بن أبي علي بن محمد بن سالم الثعلبي (م: 631هـ-)۔ الإحكام في أصول الأحكام ، المكتب الإسلامي، بيروت- دمشق- لبنان س،ن، عدد الأجزاء:4ج:1، ص ۱۳۲

8 المعجم الشامل لمصطلحات الفلسفة، للحفني عبد المنعم ، ص:330

9 ابراهيم مصطفى، المعجم الوسيط مجمع اللغة العربية بالقاهرة (م،ن) ادار الدعوة، ج،اص، ۲۳۴

[10] الترمذي، محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، (م،279هـ-) الشمائل المحمدية للترمذى، دار إحياء التراث العربي- بيروت عدد الأجزاء: 1ج 1، ص:187

[11] ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين (المتوفى: 751هـ-) زاد المعاد في هدي خير العباد، مؤسسة الرسالة، بيروت -مكتبة المنار الإسلامية، الكويت ط، السابعة والعشرون,1415هـ-/1994م عدد الأجزاء:5ج ۲، ص ۳۵۲

[12] سوره البقرة،۲:83

[13] ابن كثير ، أبو الفداء إسماعيل بن عمر القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى: 774هـ-) تفسير القرآن العظيم (ابن كثير)، دار الكتب العلمية، منشورات محمد علي بيضون- بيروت ط: الأولى-1419ج، اص، ۲۰۹

[14] الشيباني، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد (المتوفى: 241هـ-)، مسند احمد بن حنبل ، مؤسسة الرسالة، ط، الأولى، 1421هـ- 2001م، ج ۵ ص ۱۸۳

[15] البخاري، محمد بن اسمٰعیل، صحیح،(م256)، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ قبل الرد، دار طوق النجاۃ- بیروت، ط: الأولی، 1422ھ- ج8، ص، 112رقم،6540

[16] البخاري، محمد بن اسمٰعیل، صحیح، کتاب الأدب، باب طیب الکلام، ج،8ص، 23رقم، 6023

[17] النیسابوري، مسلم بن الحجاج القشیري،(م261ھ)، صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان أنہ لا یدخل الجنۃ إلا المؤمنون، دار الجیل - بیروت (ط،1334ھ-)،ج1ص،53رقم،54

[18] البخاري، محمد بن اسمٰعیل، کتاب الإیمان، باب إطعام الطعام من الإسلام، ج،1ص،12رقم12

[19] سعیدی، علامہ غلام رسول، نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، ج13، ص101

[20] سورۃ البقرۃ2:83

[21] الصیاح، علي بن عبد اللہ، ادب التخاطب في ضوالسنۃ النبویہ، ج، 1ص:8

[22] الصیاح، علي بن عبد اللہ، ادب التخاطب في ضوالسنۃ النبویہ، ج، 1ص:8

[23] سورہ لقمان، 6:31

[24] البخاري، محمد بن اسمٰعیل، کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط عملہ وھو لایشعر، ج،1ص،18رقم48

[25] أبي داود، أبو داود سلیمان بن الأشعث السجستاني،(275ھ) کتاب الأدب، باب في الانتصار، دار الکتاب العربي-بیروت - لبنان عدد الأجزاء: 4ج4، ص425

[26] *Ayub, Shahzada Imran, Saad Jaffar, and Asia Mukhtar. "ENGLISH-CHALLENGES CONFRONTED BY CONTEMPORARY MUSLIM WORLD AND THEIR SOLUTION IN THE LIGHT OF SEERAH." The Scholar Islamic Academic Research Journal 6, no. 1 (2020): 379-409.*

[27] سورہ الاسراء :17:53

[28] الصیاح، علي بن عبد اللہ، ادب التخاطب في ضوالسنۃ النبویہ، ج، 1ص:14

[29] البخاري، محمد بن اسمٰعیل، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، ج،8ص،100رقم6477

[30] البخاري، محمد بن اسمٰعیل، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، ج،8ص، 101رقم6478

[31] سورہ لقمان، 19:31

[32] البخاري، محمد بن اسمٰعیل، کتاب الصلاۃ، باب تشبیک الأصابع في المسجد، ج،1ص،103رقم481

[33] البخاري، محمد بن اسمٰعیل، کتاب المناقب، باب صفۃ النبي صلی اللہ علیہ وسلم، ج،4ص،190رقم3567

34 النسائي، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب ، (303ه)السنن الكبرى للنسائي ،مؤسسة الرسالة - بيروت - لبنان ،ط: الأولى 1421ه-- 200م،ج8،ص158،رقم10178

35 الترمذي، محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك ، شمائل النبي صلى الله عليه وسلم ، باب كيف كان كلام رسول الله صلى الله عليه وسلم ا لشمائل،ج1،ص:1132